

## جنوب مشرقی ایشیا میں اشاعتِ اسلام

مولانا محمد فاروق خان<sup>°</sup>

جس طرح نبیوں کی منصبی ذمہ داری یہ رہی ہے کہ وہ اپنی قوم تک خدا کا پیغام پہنچائیں، اسی طرح خدا کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی منصبی ذمہ داری یہ تھی کہ ساری انسانیت تک حق کا پیغام پہنچائیں اور راہ راست سے باخبر کریں۔ آپ<sup>ؐ</sup> نے اپنی زندگی میں بغیر کسی فرق و امتیاز کے اس فرضی شخصی کو ادا فرمایا، اور آپ<sup>ؐ</sup> کی زندگی ہی میں ۲۰ لاکھ مرینج میل پر دین اسلام قائم ہو گیا۔ آپ<sup>ؐ</sup> نے نہ صرف یہ کہ اپنے زمانے کے لوگوں کی ہدایت کی فکر کی بلکہ روزِ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی ہدایت کی فکر بھی آپ<sup>ؐ</sup> کو دامن گیر تھی۔ آپ<sup>ؐ</sup> نے اپنے پیچھے جو امت چھوڑی اس کی منصبی ذمہ داری بھی یہی قرار دی کہ وہ سارے عالم کی پاسبان ہو اور اس کی پوری کوشش یہ ہو کہ دنیا حق کے پیغام سے بے خبر نہ رہے۔ آپ<sup>ؐ</sup> نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا: انتم شهداء اللہ فی الارض، ”تم میں میں اللہ کے گواہ ہو۔“ یہ بات تین بار آپ<sup>ؐ</sup> نے فرمائی۔ اللہ رب العزت نے امت مسلمہ کو جس منصب پر فائز کیا ہے اس سے بلند مقصد کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ تحسیں صرف اپنے لیے نہیں بلکہ سارے عالم کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ اس میں رنگ و نسل اور ملک کی کوئی قید نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تحسیں ہم نے بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم سارے ہی انسانوں پر گواہ رہو، اور ان کے سامنے حق کو اسی طرح پیش کرو جس طرح خدا کے بنی<sup>ؐ</sup> نے تمہارے سامنے حق کو بے کم و کاست پیش فرمایا ہے۔ (البقرہ: ۲۵؛ ۱۳۳)

○ قرآن مجید کے ہندی میں مترجم

ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، اپریل ۲۰۱۷ء

اُمت مسلمہ ایک داعی امت ہے۔ اس کے پاس ایک داعی اور آفیٰ پیغام ہے، جو سراپا خیر ہے اور جس میں انسانوں کا مال دار طبقہ ہو یا نادار، جن کی بینادی ضرورتیں بھی پوری ہوئی مشکل ہو رہی ہوں، خیرخواہ ہو یا بدخواہ، دوست ہو یا دشمن، صلح جو ہو یا برسر پیکار، قوی ہو یا کمزور، عورت ہو یا مرد، بچہ ہو یا بوڑھا، سب کی رعایت کی گئی ہے اور سب کے حقوق کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اصلاً صرف ظاہری زندگی ہی سے نہیں بلکہ انسان کی روحانی اور باطنی زندگی سے بھی ہے۔ اس دین میں پاکیزگی اور نظافت کو بینادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کا مزاج حیا سے زیادہ لطیف ہے۔ بھلائی اور خیر اس کا عنوان ہے۔ چنانچہ دین کو ”نصح“، کا نام دیا گیا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان کی زندگی میں ایک ایسا انقلاب آئے جو اس کی فکر کو آفیٰ فکر بنادے اور ہر طرح کی تنگ دامیوں اور خود غرضی کی گندگیوں سے اسے نکال دے، اور وہ یہ سمجھ جائے کہ سارے انسان باہم ایک دوسرے کے اعضا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم دنیا اور اہل دنیا کو اپنی تنگ نگاہوں سے نہیں بلکہ حکیم و ودود، حی و قیوم خدا کی نگاہ سے دیکھنے لگیں۔ ہمارے قلب اتنے وسیع ہو جائیں کہ آسمان کو بھی اپنا دامن تنگ نظر آنے لگے۔

قرآن میں ہے کہ سارے انسان ایک گروہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ باہمی عناد، دشمنی اور بُغض، یہ شیطان کے لگائے ہوئے پودے ہیں۔ حضور نے بھی انسانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ بھائی، بھائی کا خیرخواہ ہوتا ہے بدنواہ نہیں۔ بھائی کی ترقی سے بھائی کو خوشی ہوتی ہے رنج نہیں۔ دوسروں کی دولت و ثروت کو دیکھ کر خوشی محسوس کرنا سب سے بڑی محاوٹ ہے۔ انسان کی بینادی ضرورتیں پوری ہوں اور وہ اپنی ذمہداریوں کو پورا کرنے سے غافل نہ ہو، دنیا کی زندگی میں یہی کافی ہے۔ آرزوئیں، تمباکیں اور بڑی بڑی خواہشات جو انسان کے اندر پائی جاتی ہیں، آخرت انہی کی تعبیر ہے۔

اسلام کی یہ تعلیمات اور اس کا یہ پیغام ایسا ہے کہ دنیا کو سب سے زیادہ اسی کی ضرورت ہے، اور یہ ضرورت وہی لوگ پوری کر سکتے ہیں جو اس دین کے حامل ہیں، جو خدا کا نازل کردہ دین ہے اور جن کے پاس دین حق اور خدا کی کتاب مستند شکل میں موجود ہے۔

ہر مسلم شخص کی حیثیت منصب کے لحاظ سے داعی کی ہے۔ دعوتی کام فرض عین ہے۔ اسے فرض کفایہ سمجھنا غلط ہے، جیسا کہ مجدد الف ثانی نے فرمایا تھا۔ دو اول میں مسلمانوں کے اندر

دعوتِ جذبہ محبوبی پایا جاتا تھا۔ وہ جہاں بھی گئے، خواہ تجارت ہی کے لیے گئے ہوں، اپنے ساتھ دعوتِ حق کو لے کر گئے اور انہوں نے لوگوں کو اس سے روشناس کرایا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر گوشے میں دینِ حق کا نام لینے والے موجود ہیں۔ بعد کے دور میں، جب کہ مسلمانوں کی تعداد اچھی خاصی ہو گئی تو ایسا لگتا ہے کہ وہ اس بات کو بھول گئے کہ ان کی عزت اور عظمت کا اصل تعلق اس منصب سے ہے جس پر اللہ نے انھیں فائز کیا ہے۔ مسلمانوں میں چھوٹی بڑی کتنی تحریکیں انھیں اور کتنی تنظیمیں پائی جاتی ہیں، لیکن ان کے دستور میں فرضِ منصیٰ دعوت، کا کوئی ذکر ہی نہیں ملتا، الا ما شا اللہ۔ پھر بھی اسلام اپنی قوت اور جاذبیت سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہا ہے اور سعادت مند روحیں اسلام سے مستفید ہوتی رہی ہیں۔ اس تحریر میں پاک و ہند میں اشاعت اسلام کی تاریخ کا ایک مختصر جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ہمارے اندر یہ دعوتِ جذبہ اُبھرے اور کبھی سرد نہ پڑے۔

اسلام کا پیغام خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں جزیرہ عرب سے باہر دوسرے ملکوں میں پہنچنا شروع ہو گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قیصر و کسری کو دعوتِ خطوط روانہ فرمائے تھے۔ دنیا سے آپؐ کو خصت ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ اسلام دنیا کے ایک بڑے حصے پر چھا گیا اور اس کا پیغام دور راز علاقوں تک پہنچ گیا۔ جہاں تک ہندستان کا تعلق ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ملک سے خصوصی دل پیش کی اور آپؐ چاہتے تھے کہ یہ ملک دینِ حق کی برکات سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ آپؐ نے ان لوگوں کو بشارت دی جو ہندستان میں دعوتِ حق کے پہنچانے کی عظیم ذمہ داری ادا کریں گے۔ حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت کے دو گروہوں کو اللہ نے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھا ہے۔ ان میں سے ایک جماعت وہ ہے جو ہندستان کے غزوے میں شریک ہو گئی۔“ (نسائی)

**• صحابی کرامؓ کی آمد:** آپؐ کی رحلت کے بعد صحابہ کرامؓ نے غیر منقسم ہندستان کی طرف توجہ کی۔ صحابہ کرامؓ کے نفوس تدبیہ سے ہندستان کو فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ ہندستان میں صحابہؓ کی آمد ۱۵ھ سے شروع ہوئی اور یہ سلسہ بعد تک جاری رہا۔ حضرت عمرو بن العاص ثقفیؓ جو بھریں کے گورز تھے، انہوں نے حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں عمان کے راستے سے ہند کے ساحل پر ایک لشکر پہنچا تھا، یہ لشکر تھانہ (مبئی) اور بھڑوچ (گجرات) تک پہنچ گیا تھا۔ حضرت عثمان

بن ابی العاص شفیعؓ بھی بھرین کے گورنمنٹر ہوئے تھے۔ انہوں نے تین اطراف سے ہندستان پر فوج کشی کی تھی۔ یہ فوج کشی ان کے بھائی حکم بن ابی العاصؓ کی سرکردگی میں کی گئی تھی۔ اس مہم میں تھانہ اور بھڑوچ دونوں ساحلی مقاموں پر فتح حاصل ہوئی۔ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے ایک بھری فوج اپنے دوسرے بھائی حضرت مخیرہ بن ابی العاص کی زیر قیادت دیبل کی طرف روانہ کی تھی۔ یہ شکر بھی فتح یاب ہوا۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ لشکر کشی کا اصل مقصد اشاعتِ اسلام تھا۔ جنگ کی نوبت اسی وقت آتی جب اشاعتِ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتیں۔

حضرت علیؓ نے ۳۰ھ میں حضرت حارث بن مردہ عبدیؓ کو اس کی اجازت دی کہ وہ رضا کاروں کی جماعت لے کر ہندستان کا رخ کریں۔ حضرت معاویہؓ کے عہد میں ۳۲ھ میں حضرت مہلب بن ابی صفرؓ نے بھی ہندستان کا رخ کیا تھا۔ حضرت مہلبؓ نے دریاے سندھ کو پار کر کے ملتان تک فتح کر لیا تھا۔ اسی لیے بعض تاریخ کی کتابوں میں انھیں ہندستان کا فتح اول کہا گیا ہے۔

۹۹ھ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؓ خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے ہندستان کے راجاؤں کو خطوط لکھے۔ ان خطوط میں انھیں اسلام لانے کی دعوت دی گئی اور انھیں اسلام کی خوبیوں سے واقف کرایا گیا۔ بہت سے لوگ ایمان بھی لائے۔ آپ نے عمر بن مسلم باہلی کو سندھ کا گورنمنٹر کر کے بھیجا اور تمام راجاؤں کو خط تحریر فرمایا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

تم اسلام قبول کرو اور بت پرستی کی ظلمت سے نکل آؤ۔ اگر تم مسلمان ہوتے ہو تو تمھیں تمھاری ریاست پر بدستور قائم رکھیں گے۔ تمھاری خطا نکیں معاف کر دیں گے اور تمھارے ساتھ ہمار اسلوک سب مسلمانوں جیسا ہو گا اور تمھیں اپنا بھائی تھمیں گے۔

جب یہ خطوط رو سماے ہند کے پاس پہنچ تو سب سے پہلے ابن داہر نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد دوسرے راجاؤں نے بھی جو عام طور پر اس کے رشتے دار تھے، اسلام قبول کر لیا۔

• محمد بن قاسم: ہند میں اشاعتِ اسلام کے تعلق سے محمد بن قاسم کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ محمد بن قاسم کی فوج کشی کے وقت لئکا میں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی تھی اور وہ عربوں کی تجارت کا ایک مرکز بن چکا تھا۔ لئکا سے عرب تاجر وں کا ایک جہاز عراق جا رہا تھا جس کو سندھ کی بندرگاہ دیبل کے قریب راجا داہر کے لوگوں نے لوٹ لیا۔ عرب تاجر وں کو قید کر لیا گیا جن میں

ایک لڑکی بھی تھی۔ حاجج کو جب اس کی اطلاع ملی تو حاجج نے راجا داہر کو لکھا کہ عربوں کو عزت و احترام کے ساتھ بصرہ روانہ کر دے اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دے۔ راجا داہر نے اس مطالبے کو رد کر دیا اور کہلا بھیجا کہ یہ حرکت بھری ڈاؤں کی ہے جو میرے بس سے باہر ہیں۔

حجاج نے محمد بن قاسم کو لشکر کے ساتھ سندھ روانہ کیا۔ محمد بن قاسم کی عمر اس وقت صرف ۷ اسال تھی لیکن وہ بڑی سوجھ بوجھ کے مالک تھے۔ محمد بن قاسم سندھ جاتے ہوئے، سپرتان کے علاقے سے گزرے تو چنان قوم نے اپنے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ چھپ کر مسلمانوں کے حالات سے واقفیت بھم پہنچائے۔ وہ جب اسلامی لشکر کے قریب آیا تو اس وقت محمد بن قاسم نماز کے لیے صھیل درست کر رہے تھے۔ اسلامی لشکر نے ان کی امامت میں نماز ادا کی۔ چنان قوم کے آدمی نے پچھشم خود جو کچھ مشاہدہ کیا واپس جا کر بے کم و کاست اپنی قوم سے بیان کیا۔ قوم پر اس کا غیر معمولی اثر ہوا۔ اس قوم کے لوگ اسلام قبول کرنے کے ارادے سے محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

محمد بن قاسم کے زمانے سے ہندستان میں مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے انھوں نے سندھ کو فتح کیا۔ یہاں کے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ تم سب آزاد ہو، تمھیں کسی قسم کی تکلیف نہیں دوں گا، کسی کے مذہب میں کسی قسم کی دست دارازی نہیں کی جائے گی۔ محمد بن قاسم نے حاجج کی نصیحت کو اپنے پیش نظر رکھا۔ حاجج نے کہا تھا: ”ہر ایک کوکمہ اسلام کی دعوت دینا اور جو کوئی مشرف بے اسلام ہو جائے اس کی ترتیبیت کاظم کرنا“۔

یاں حکومت کے ساتھ ساتھ محمد بن قاسم دعوت حق کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ترمیتی ادارے، مساجد اور مدارس بھی قائم کیے۔ محمد بن قاسم نے الور میں مدرسے کے علاوہ دارالقضا بھی قائم کیا تھا۔ دیبل کی فتح ۵۳ھ کے بعد وہاں چار ہزار مسلمانوں پر مشتمل ایک بستی آباد کی گئی۔ ایک مسجد کی تعمیر بھی ہوئی۔ یہ چار ہزار افراد حقیقت میں چار ہزار مبلغین اسلام تھے۔

محمد بن قاسم کا اتنا اچھا اثر تھا کہ جب وہ سندھ سے رخصت ہونے لگے تو مسلمان ہی نہیں ہندو بھی ان کی جدائی پر اٹک بار ہو گئے اور کہا کہ ”آپ جیسا مہربان فاتح کبھی بھی نصیب نہیں ہوا۔ ہم آپ کے محاسن کو ہمیشہ یاد رکھیں گے“۔ انھوں نے محمد بن قاسم کی یاد میں ایک دھرم شالہ بھی تعمیر کیا۔ کچھ ہندوؤں اور بودھوں نے محمد بن قاسم کا بت بنا کر اس کی پرسش بھی شروع کر دی۔

**مالا بار:** ہندستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے سے پہلے ہی اسلام پھیلنے لگا تھا اور جب مسلم فوجیں لڑائیوں میں مصروف تھیں، اس وقت بھی کتنے ہی مسلم علماء و مشائخ کے ذریعے سے اشاعتِ اسلام کا کام ہورہا تھا۔ خاص طور سے پنجاب اور بہگال میں بہت سے لوگ ان کی تقاریر کے اثر سے اسلام میں داخل ہوئے۔ رہی بات مالا بار کے علاقے میں اسلام کے پھیلنے کی تو وہاں اولین دور میں اسلام کی مقبولیت کی وجہ وہاں کے راجا سامری (سامری) کا مسلمان ہوتا بتایا جاتا ہے۔ دوسری صدی ہجری کے بعد کا واقعہ ہے کہ مشائخ کی ایک جماعت لنکا کی طرف جا رہی تھی لیکن مخالف ہوا کی وجہ سے ان کی کشتی مالا بار کے شرکون (کوچن) پہنچ گئی۔ اس جماعت نے وہاں کے حاکم (راجا) سامری جسے زمورن (چیرامن پرمول) بھی کہا جاتا ہے، اس سے ملاقات کی۔ یہودیوں، نصرانیوں نے سامری کو اسلام کے بارے میں غلط باطیں بتا رکھی تھیں۔ اب سامری کو تحقیق کا موقع ملا۔ اس نے اسلام اور پیغمبر ﷺ اسلام کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کیں۔ تحفۃ المُجَاهِدِین کے حوالے سے تاریخ فرشته میں یہ قصہ نقل ہوا ہے۔

راجا سامری (زمورن) مسلمان ہو گیا لیکن اس نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا۔ راجا عرب گیا، عرب ہی میں انتقال ہوا۔ مرتبے وقت اس نے تاکید کی کہ ہم سبھی کا مقصد اسلام کی اشاعت ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ لوگ مالا بار اپنا تجارتی سفر جاری رکھیں، وہاں قیام کریں، مکان بنائیں اور لوگوں کو دین حق کی طرف متوجہ کریں۔ راجا نے اپنی زبان میں خطوط بھی لکھ کر عرب تاجر و میگر کے حوالے کیے۔ جب انھوں نے وہ خطوط مالا بار کے حاکم کو دکھائے تو وہ مہربان ہو گیا۔ اس طرح اشاعتِ اسلام کی راہ یہاں ہموار ہوئی اور مسلمانوں نے کولم، گریگانور، کالی کٹ، منگلور، کاس کوڈو وغیرہ کئی مقامات پر مساجد تعمیر کیں۔

مدراس اور مالا بار کے اطراف میں جو لوگ بستے تھے وہ ویدک یا برہمنی مذہب کے بیرو نہیں تھے۔ ان کی اکثریت ہندستان کے قدیم باشندوں پر مشتمل تھی جن کو آریوں نے اس علاقے میں پناہ لینے پر مجبور کیا۔ مالا بار اور اس کے اطراف میں جو پرانی قوم آباد ہے، وہ ناڑکہلاتی ہے۔ اس کے پاس اپنا کوئی باقاعدہ مذہب نہ تھا۔ ہندو سے حرارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اسلام میں انھوں نے اپنی عزت محسوس کی اور تیزی سے یہ قوم اسلام کی طرف بڑھی۔ یہ پورا علاقہ اسلام کے

دارے میں داخل ہو جاتا اگر یہاں پر ٹگیز نہ پہنچتے۔ پر ٹگیزوں نے عربوں کی تجارت کا راستہ بند کر دیا اور یہاں کے لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ عرب اور مصر سے اپنے تعلقات مقطع کر لیں۔ عرب سے ہندستان کے ساتھ تجارتی تعلقات اسلام سے پہلے سے چلے آرہے تھے۔ عرب تا جملہ فارس کی بندرگاہوں سے ہوتے ہوئے سندھ آتے تھے اور پھر سمندر کے کنارے کوکن اور گجرات کے ساحل سے گزر کر مدراس پہنچتے اور یہاں سے مشرقی بیگال اور آسام ہو کر چین کی طرف نکل جاتے تھے۔ راستے میں مالدیپ، سیلوں، جاوہ، سمارا، سنگاپور اور دوسرے جزائر کا بھی رخ کرتے تھے۔ پر ٹگیزوں نے مالا بار اور اس کے اطراف میں اسلام کی اشاعت کی راہ میں بڑی رکاوٹ کھڑی کر دی ورنہ اس علاقے کا نقشہ آج کچھ دوسرا ہوتا۔ عرب اور ایران کے سوداگروں کی کوشش سے گجرات اور کنکن کا علاقہ پورا کا پورا مسلمان ہو جاتا۔ پندرہویں صدی عیسوی کی ابتداء میں مالا بار کی کل آبادی کا پانچواں حصہ مسلمان تھا۔ شیخ شریف بن ملک کے اثر سے بھی مالا بار کے ایک راجانے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ واقعہ دوسری صدی ہجری کا ہے۔

**لنکا:** جزیرہ سیلوں میں اسلام دوسری صدی ہجری میں مسلم سیاحوں کے ذریعے سے پہنچا۔ ان سیاحوں میں شیخ شریف بن ملک اور مالک بن دینار زیادہ مشہور و ممتاز ہیں۔ ان ہی کی کوششوں سے گرانگانور کا راجا مسلمان ہوا تھا۔ ایک ایرانی مسلم شخصیت ابن شہریار کے نزدیک ہندستان کے جزیروں میں سب سے پہلے سر اندیپ (لنکا) میں اسلام کی روشنی پھیلی۔ اس کے بعد مالا بار کا علاقہ ہے جہاں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ ابن شہریار (م: ۴۰۳ھ) نے لکھا ہے کہ جب عرب تا جروں کے ذریعے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سر اندیپ کے لوگوں نے سنی، تو انہوں نے ایک شخص کو تحقیق کوائف کے لیے عرب بھیجا۔

اس کے بعد یہاں اسلام کی اشاعت تیزی سے ہونی شروع ہو گئی۔ تاریخ فرشتہ کی رُو سے ہندستان میں اسلام کا پہلا مرکز سیلوں ہے اور تحقیق کے لیے جو پہلا وفد عرب روانہ ہوا تھا اس کا تعلق بھی سیلوں ہی سے تھا۔ عرب تا جروں کے قافلوں کی آمد کا ایک سلسلہ یہاں قائم ہو گیا تھا۔ لکھا کے راجا کو صحابہ کے عہد مبارک (۴۰۰ھ) ہی میں مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

**مالدیپ:** مالدیپ اسلام کا دوسرا مرکز تھا۔ جزائر مالدیپ پر مسلمانوں نے کوئی

چڑھائی نہیں کی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں وہاں کاراجا مسلمان ہو گیا، پھر ساری آبادی ہی نے اسلام قبول کر لیا۔ یہاں کے راجا اور بیہاں کے باشندوں کے ایمان لانے کا سبب شیخ ابوالبرکات بربی مغربی کی ذات گرامی تھی۔ شیخ ابوالبرکات مالدیپ میں ایک شخص کے مہمان تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکی کو اچھا لباس پہنانا رہے ہیں اور اس کا بناؤ سنگار کیا جا رہا ہے، مگر اس کے ساتھی لوگ رو بھی رہے ہیں۔ شیخ نے سبب دریافت فرمایا تو انھیں بتایا گیا کہ ہر سال سمندر میں ایک بڑی طغیانی آتی ہے۔ اس طوفان کو فرو کرنے کے لیے ایک اکلوتی بیٹی کو بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ نوجوان میزبان نے کہا کہ اس سال باری میری لڑکی کی ہے۔ میں راجا کے حکم سے مجبور ہوں کہ اپنی لڑکی کو بھینٹ چڑھا دوں۔ شیخ نے کہا کہ اس کے بجائے مجھے لباس پہنانا کر بخیج دو۔ میں بلا سے نپٹ لوں گا۔ میزبان نے انکار کیا کہ میں کیسے ایک مہمان کو ہلاکت کے حوالے کر سکتا ہوں! مگر شیخ نے بے حد اصرار کیا اور بالآخر انھیں سمندر سے ملختی ایک ایک مندر میں چھوڑ آئے تاکہ وہ سمندری طوفان کی نذر ہو جائیں اور لوگ بلا سے نجات پالیں۔ زور کا جوار بھانا چڑھا۔ کہتے ہیں کہ ایک خوفناک بلا مندر میں داخل ہوئی، شیخ قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے۔ بلا سہم کر خود میل گئی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ وہاں کاراجا اور رعایا سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

• سندھ: سندھ اور اس کے اطراف میں صحابہ کرامؐ کی تشریف آوری ہوئی۔ آج سے تقریباً چھے سو برس پہلے سید یوسف الدین یہاں تشریف لائے۔ یہ شیخ عبدالقادر جیلانیؐ کی اولاد میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں خواب میں حکم ہوا تھا کہ وہ بغداد چھوڑ کر ہندستان جائیں اور وہاں کے لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کریں۔ ۱۴۲۲ء میں وہ سندھ تشریف لائے اور ۱۰ سال تک وہ سندھ میں مقیم رہے اور انشاعتِ اسلام کے کاموں میں خود کو مصروف رکھا۔ آپ کی کوششوں سے لوہانہ قوم کے سات سو خاندانوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مشرقی سندھ اور علاقہ بہاول پور میں سید جلال بخاری کی تعلیم کے زیر اثر تحقیق کی روشنی پھیلی۔ ان کی اولاد میں حضرت محمد مجدد بھانیاں کے ہاتھ پر پنجاب کے بیسیوں قبیلے ایمان لے آئے۔

• دکن: عرب تاجر، سپاہی اور مبلغ یہاں ہنگمی خاندان اور بیجا پور کے بادشاہوں کے دورِ حکومت میں آئے۔ ان کی دعوت اور ان کے عملی نمونوں سے متاثر ہو کر لوگ ایمان لے آئے۔

دکن کے مغربی اضلاع میں ذات پات کا نظام بہت ہی جابر ان تھا۔ تراوکوڑ میں بعض پست قوموں کے لیے لازم کر دیا گیا تھا کہ وہ برہمنوں سے کم سے کم ۷ قدم دور رہا کریں۔ سڑک پر چلیں تو آواز کرتے چلیں، تاکہ برہمنوں کو ان کی آمد کی خبر ہو جائے۔ پست ذات کے لوگ اس ذلت سے نجات پانے اور معاشرے میں اپنا مقام حاصل کرنے کے لیے کثرت سے اسلام میں داخل ہو گئے۔ مناوی علاقے میں شارنام کی ایک قوم پست قوموں میں شمار کی جاتی تھی حالانکہ مادی اور تعلیمی و معاشرتی لحاظ سے عام ہندوؤں سے آگئی۔ ہندوؤں سے اہانت آمیر سلوک کرتے تھے۔ چند شمار مندر میں داخل ہو گئے تو ہندوؤں نے انھیں زدکوب کیا۔ اس پر شارنوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ چنانچہ تقریباً چھے شارنوں کی روز مسلمان ہو گئے۔ جب آس پاس کے دیہاتوں تک اس کی خبر پہنچی تو شمار قوم مسلمان ہوتی چلی گئی۔ کہتے ہیں کہ دکن میں اسلام کی ابتداء پر مہابیر کھمدا بیت سے ہوئی، جو سات سو برس پہلے بجا پور تشریف لائے تھے۔ ان کے علاوہ ایک اور بزرگ جو شیخ عبدالقدار جیلانی کی اولاد میں سے تھے وہ بھی یہاں پہنچ۔

جنوبی ہند کی ایک قوم (راتسن) ہے۔ اس کی زبان تامل ہے اور آج کل یہ زیادہ تر مدادورہ، تغولی، کوٹمیٹو، شہائی ارakkath اور نیل گری کے اضلاع میں پائے جاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ چند مبلغوں کی تلقین سے انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور سید شاہزادہ (۱۴۰۳ء-۱۴۶۹ء) تھے۔ موصوف نے ترچنالپی میں سکونت اختیار کی تھی۔ مسلمانوں نے ان کے نام پر ترچنالپی کا نام شاہنگر رکھا تھا۔ اس قوم کے لوگ ان مبلغوں کی قبروں کا آج تک احترام کرتے ہیں۔ ان مبلغوں میں سید ابراہیم شہید بھی قابل ذکر ہیں۔ اس سلسلے میں شاہ حمید (۱۴۰۰ء-۱۵۳۲ء) کا نام بھی معروف و مشہور ہے۔ یہ شہائی ہند ماںک پور میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ دعویٰ اسفار میں صرف کیا۔ آخر میں انھوں نے ناگور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ جنوبی ہند میں ایک قوم دودکلا ہے۔ اس قوم کا پیشہ کپاس صاف کرنا اور کپڑے بنانا ہے۔ اس قوم کا بیان ہے کہ یہ قوم بابا فخر الدین کی تبلیغ سے اسلام میں داخل ہوئی۔

ہدایت کے لیے مدراس بھی چند بزرگوں کا رہیں منت ہے جن میں سب سے زیادہ معروف و مشہور سید شاہزادہ ہیں، جن کا مزار چنالپی میں ہے اور دوسرے بزرگ سید ابراہیم شہید

بیں، جن کا مزار ارداری میں ہے۔ تیسرا بزرگ شاہ الحامد ہیں جن کا مزار ناگپور میں ہے۔ نیو گنڈہ کی طرف کی مسلم آبادی بالعموم اسلام لانے میں اپنے کو بابا فخر الدین کی رہیں منت سمجھتی ہے۔ بابا فخر الدین ہی کی شخصیت ہے جن کے ہاتھ پر وہاں کاراجا بھی مسلمان ہوا تھا۔

**• وسطی بند:** خواجہ معین الدین اجیریؒ (م: ۲۳۲: ۶) کی برکت سے راج پوتانہ میں خاص طور پر اسلام کی اشاعت ہوئی۔ انھوں نے راج پوتانہ کے علاوہ یوپی، بھارا اور دکن میں بھی سلسلہ تبلیغ شروع کیا۔ امپیریل گریٹر کے مطابق میوقوم کے اسلام لانے کی تاریخ ہزار عیسوی یا اس کے بعد کی ہے۔ یہ قوم سید سالار مسعود غازی کے ہاتھ پر ایمان لائی۔

**• پنجاب:** پنجاب میں سب سے پہلے دائی اسلام حضرت سید اسماعیل نجاریؒ تھے۔ پانچویں صدی ہجری میں لاہور میں ان کی تشریف آوری ہوئی۔ آپ کی آواز میں بلا کی تاشیر تھی۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کی تقریر سننے آتے تھے۔ آپ کی برکت سے بہت سے لوگ اسلام سے فیض یاب ہوئے۔ ایک اور بزرگ حضرت سید صدر الدینؒ اور ان کے صاحبو زادے حضرت حسن کبیر الدینؒ بھی پنجاب کے بہت بڑے مبلغ رہے ہیں۔ حضرت محمد علی ہجویریؒ پانچویں صدی ہجری میں لاہور آپکے تھے۔ ان کی تبلیغ سے اسلام لانے والوں کا سلسلہ ملتان اور کوہ شوالک کے دامن تک پہنچا۔ سید اسماعیل نجاریؒ نے لاہور میں قیام کر کے دعویٰ کام کو بہت زیادہ وسعت دی۔ یہ شہاب الدین غوری کے پہلے حملے سے قبل تشریف لائے تھے۔

**• گجرات:** گجرات میں حضرت امام شاہ پیر انویؒ اور ملک عبداللطیفؒ کی کوششوں سے اسلام کی اچھی خاصی اشاعت ہوئی۔ گجرات کے مسلمان تاجر جوں کا بھی اسلام کی تبلیغ میں بڑا حصہ ہے۔

**• کشمیر:** سلطان رین چند شاہ کے عہد میں کشمیر میں اسلام کے داعیوں کی آمد شروع ہوئی۔ سب سے پہلے سید شرف الدین بلبل شاہ تشریف لائے۔ سلطان رین چند شاہ، سید صاحب سے متاثر ہو کر (چودھویں صدی عیسوی میں) ان کے دست حق پر اسلام لے آئے۔ کشمیر کے باشندے اس نئے مذہب سے بے حد متاثر ہوئے اور یہاں کی بیش تر آبادی دائرة اسلام میں داخل ہو گئی۔ رین چند شاہ کا اسلامی نام صدر الدین رکھا گیا۔

سید حسین سمنانی (م: ۲۷۷: ۶) شاہ شہاب الدین کے عہد میں کشمیر تشریف لائے۔

چودھویں صدی کے آخر میں سید علی احمد ہمدانی سات سیدوں کے ہمراہ ایران سے تشریف لا کر کشمیر میں سکونت پذیر ہوئے اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں لگ گئے۔ پندرہویں صدی کے آخر میں ایک شیعہ مبلغ نہش الدین عراق سے آئے۔ ان کے ہاتھ پر بھی بہت سے ہندو ایمان لے آئے۔ کستوار کاراجبوٹ راجا سید شاہ فرید الدین کی کرامت سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ اس کی پیروی میں اس کی اکثر رعایا نے بھی اسلام قبول کیا۔ سیف الدین خاندانی برہمن حضرت سید میر محمد ہمدانی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ سید میر محمد نے کشمیر میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کے اخلاق و کردار اور کرامات سے اس قدر لوگوں نے اسلام قبول کیا جس کی نظریہ مشکل سے ملے گی۔

**بنگال:** سب سے پہلے یہاں سید جلال الدین تبریزیؒ نے دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ ڈاکٹر انعام الحق کا خیال ہے کہ حضرت تبریزیؒ ۱۲۰۰ء میں بنگال پہنچ۔ وہاں لکشمین سین کی حکومت تھی۔ سید العارفین کے مطابق ان کی وفات ۱۲۲۳ء میں ہوئی۔ شیخ جلال الدینؒ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خاص خلفا میں سے تھے۔ اسلام کی بیداری کے خاص آثار بنگال میں ۱۹ویں صدی میں نمایاں ہوئے۔ متعدد جماعتوں نے اس صوبے میں مبلغین روانہ کیے۔ انھوں نے توبہات کو دور کرنے کی کوشش کی اور دینی جذبے کو ابھارا اور اسلام کی اشاعت کی۔ این بطور نے لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے علاوہ کئی دوسرے بزرگ بھی بنگال آئے اور انھوں نے اسلام کی اشاعت کا کام کیا۔ ان بزرگوں میں سے ایک شیخ سراج الدین بھی تھے۔ انھیں کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہاں کا حکمران بھی ان کا مرید تھا۔ ان کی وفات ۱۳۵۷ء میں لکھنوتی میں ہوئی۔

شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے ایک مرید خاص شیخ علاء الدین علام الحق ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنے مرشد کے انتقال کے بعد رشد و ہدایت کا سلسہ جاری رکھا۔ ان کے ذریعے سے بہت سے لوگ حلقة گوش اسلام ہوئے۔ شیخ علام الحق سے زیادہ اسلام کو فروغ ان کے صاحزادے نور الحق کے ذریعے سے حاصل ہوا۔ آپ کی کوششوں سے بنگال میں اسلام کی کافی اشاعت ہوئی۔

رباط السلاطین جو بنگال کی سیاسی تاریخ ہے، اس میں لکھا ہے کہ جب راجا گنیش تخت پر بیٹھا تو اس نے بہت سے علماء و مشائخ کو قتل کر دیا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ بنگال میں اسلام کی

اشاعت نہ ہو۔ شیخ نور الحنفی نے جو نور قطب عالم کے لقب سے مشہور ہوئے، جوں پور کے بادشاہ ابراہیم شرفی کو مدد کے لیے لکھا۔ جوں پور سے ایک بڑی فوج بھگال کے لیے روانہ ہوئی۔ راجا ڈرا، اس نے شیخ سے سفارش کرانی چاہی۔ شیخ نے اسے اسلام کی تلقین کی۔ راجا تو نہیں مگر اس کی اجازت سے اس کا بیٹا جدو مسلمان ہو گیا۔ فوج واپس ہو گئی۔ راجا گنیش کے مرنے کے بعد جدو سلطان جلال الدین ابو مظفر شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں بھگال میں کثرت سے اسلام پھیلا۔ حضرت نور قطب عالم کی وفات ۱۸۱۸ھ مطابق ۱۳۱۵ء میں ہوئی۔ حضرت نور قطب کے بعد ان کے بیٹوں نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام جاری رکھا۔ ان میں سے شیخ حسام الدین نے اس سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ یہ بزرگ صاحبِ تصانیف تھے۔

• آسام: آسام میں حضرت شیخ جلال الدین فارسیؒ اسلام کی نعمت لے کر تشریف لے گئے۔ اشاعت اسلام کے سلسلے میں ان کی سمعی لائق تحسیں ہیں۔ سلہٹ میں ان کا مزار ہے۔

• ہندو تاجر: ہندو تاجر موتویوں کی تجارت کرتے تھے۔ قدیم زمانے سے بھریں کی منڈی میں ان کی آمد و رفت تھی۔ بھریں پر مسلمانوں کا قبضہ نبی کریمؐ کے عہد مبارک ہی میں ہو گیا تھا۔

ہندو تاجر یہاں آتے، مسلمانوں سے ان کا ملنا جانا ہوتا، بہت سے ہندو مسلمانوں کے اخلاق سے متأثر ہو کر اسلام قبول کر لیتے اور پھر اسلام کا پیغام لے کر لوٹتے اور برادران وطن تک پہنچاتے تھے۔

• صوفیا و علماء: ہندستان میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں صوفیاے کرام اور علماء نے خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ اس کا اعتراف آرغلہ، ڈاکٹر سی آر سین اور ڈاکٹر راجندر پر ساد تک نے کیا ہے۔ جب مجدد الف ثانیؒ جہانگیر کے حکم سے قید کیے گئے تو انہوں نے قید خانے میں اپنے وعظ اور تلقین سے سکیڑوں ہندوؤں کو حلقة گوش اسلام کیا۔

سید شاہ فرید الدینؒ نے کستوار کے راجا کو اسلام میں داخل فرمایا۔ اس کے ذریعے سے اس علاقے میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ یہ زمانہ عالم گیر کا ہے۔ ناسک میں اب تک حضرت محمد صادقؑ سرمستؒ اور خواجہ اخوند میر حسینؒ کی برکتوں کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ دھاڑواڑ کے لوگ اپنے اسلام کو حضرت شیخ ہاشم گجراتی کا فیض بتاتے ہیں۔ حضرت شیخ ہاشم، ابراہیم عادل شاہ کے مرشد تھے۔ بہت سے بزرگ محمود غزنوی کے ساتھ ہندستان آئے تھے۔ انہوں نے دعوت و ارشاد کا

کام ہندستان میں رہ کر کیا۔ ان داعیان میں ایک مشہور بزرگ شیخ ابو شکور سالمی بھی تھے جو ابو محمد چشتی کے حکم سے محمود غزنوی کے ساتھ ہندستان آئے۔ موصوف نے میوقوم کو اسلام کی دعوت دی اور اشاعتِ دین کی غرض سے ان کے درمیان سکونت اختیار کی۔ محمود علی ہجویری لاہوری کے ہاتھ پر کثیر تعداد میں لوگ ایمان لائے جن میں سے رائے راجو کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ آپ نے اسے شیخ ہندی کا لقب عطا فرمایا۔ خواجہ معین الدین چشتی کا ذکر پہلے آپ کا ہے۔ جو ق در جو ق لوگ آپ کے دست مبارک پر ایمان لے آئے۔ سید احمد تونختہ ترمذی نے لاہور کو اپنا وطن بنایا۔ آپ کے ذریعے سے ہزاروں اشخاص کو ایمان کی دولت حاصل ہوئی۔

**بعض انفرادی کوششیں:** بعض لوگوں نے انفرادی طور پر دعوت و تبلیغ سے دل چبی لی۔ مولوی بقا حسین خاں گھوم پھر کر دعوت و تبلیغ کا کام کرتے تھے۔ چند سال میں ۱۲۲۸ اشخاص آپ کے ذریعے سے ایمان لے آئے۔ ان کا تعلق کان پور، اجیر، ممبئی اور دیگر شہروں سے تھا۔ مولوی حسن علی کے ذریعے سے ۲۵ رافراد مشرف بہ اسلام ہوئے جن میں سے ۱۲ اپونہ اور باتی حیدر آباد اور دیگر شہروں سے تعلق رکھتے تھے۔ نو مسلم شیخ عبداللہ اپنے مطالعے اور تحقیق سے ایمان لے آئے اور ۳۶ سال تک دعوت و تبلیغ میں لگر ہے۔ ۳۷ گھرانوں کو انھوں نے مشرف بہ اسلام کیا۔

**مسلم حکمران و بادشاہ:** یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلم بادشاہوں نے تبلیغ دین کی طرف توجہ نہیں کی۔ وہ فاتحین جنھوں نے شمالی ہند یادگن میں حکومتیں قائم کیں وہ اشاعتِ اسلام کے فریضے کا احساس نہیں رکھتے تھے، اور یہ بھی کہ بعض کو ملک گیری اور خانہ جنگی کی وجہ سے اس کا موقع ہی نہ مل سکا۔ فاتح مسلمان اکثر مغل یا تاتاری تھے جنھیں دین کا وہ فہم حاصل نہیں تھا جو انھیں حاصل ہونا چاہیے تھا۔ دور اول کے عرب مسلمانوں اور تاجروں میں جو جوش و خروش دکھائی دیتا ہے وہ ان کے یہاں ناپید نظر آتا ہے۔ یہاں فیروز شاہ تغلق کا ایک استثناء ہے۔ اس کے اندر دعوت و تبلیغ کا جذبہ موجود تھا۔ مسلمان بادشاہوں میں اور نگ زیب عالم گیر کے دل میں بھی فروغ اسلام کی تمنا پائی جاتی تھی لیکن باقاعدہ منصوبہ بند طریقے سے کام کرنے کا موقع اسے نہیں ملا۔ تاریخ فرشتہ میں ہے: ”فروغ اسلام کے جوش و جذبے میں اس نے نو مسلموں کے ساتھ تو دریادی اور فیاضی دکھائی لیکن ساتھ ہی وہ دوسرے مذاہب کے پیروں پر مذہبی امور میں کسی سختی کا روادار نہیں ہوا۔“